



انٹیم

خون آشام

عزم و حوصلہ سے بدپور اس شخص کی بہانے جو ایک مولانا کے ساتھ دوچار تھا۔

کھانے کی چاٹ پڑ گئی تھی وہ بھی اب بے نقاب ہو چکا ہے لہذا آپ کچھ گئے ہوں گے کہ یہ سب کی سب داستانیں سچی ہیں۔ لیکن ان سے میرا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو ایسے غیر معمولی قسم کے واقعات سن کر حقیقت بیان کرنے کے جنوں میں مبتلا ایک فحش ہوں۔

میں کئی واقعات پر تحقیقات کر چکا ہوں اور کئی غیر معمولی واقعات کا سراغ لگا کر حقائق بے نقاب کر چکا ہوں۔ اس کے باوجود مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ کبھی زندگی میں ذاتی طور پر کسی خون آشام کے ہتھے چڑھ جاؤں گا۔۔۔ لیکن قسمت نے مجھے ایسے دن بھی دکھائے تھے۔

میں اپنی زندگی کے انتہائی دہشت ناک حالات سے گزرا ہوں اور اس سلسلے میں میرے جسم پر آنے والے نشانات آج بھی موجود ہیں جنہیں دیکھ کر میں آج بھی جھرجھری لے کر رہ جاتا ہوں۔ مجھے خود بھی یہ سب کچھ خواب و خیال ہی لگتا ہے۔ لیکن میرے جسم پر جو نشانات ہیں، وہ حقیقی ہیں اور انہیں دیکھ کر کوئی بھی اس بات کو جھٹلا نہیں سکتا کہ میں غیر معمولی حالات سے گزر چکا ہوں۔

میں دوسو پچیس پاؤنڈ وزنی، چھ فٹ تین انچ قد والے جسم کا مالک ہوں اور مجھے رنگارنگ تیلیوں سے عشق ہے۔ یہ میرا پیشہ بھی ہے۔ میں دنیا کی نلیب ترین تیلیوں کا شکار کر کے ان سے بے پناہ دولت کا چکا ہوں۔ ممکن ہے آپ کو میرے پیشے کے بارے میں پرستھ کر منسی آجائے۔ لیکن یقین کیجیے دنیا میں ایسے صاحب

بھیڑیوں اور غول بیابانی کی حکایات اتنی پرانی خون آشام ہیں جتنی کہ نسل انسانی۔۔۔ کائنات میں طلوعِ اوقات سے یہ کہانیاں بڑے استقلال سے بیان کی گئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کہانی نویسوں اور داستان گو قسم کے لوگوں نے ان میں حاشیہ آرائی کر کے انہیں حقیقت سے دور کر کے افسانے کا رنگ بھر دیا ہو۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ سب کی سب داستانیں سچی ہیں۔۔۔ پھر فرارڈ نے ایک نظریہ پیش کیا جس سے ہمیں تاریک راستوں سے آگاہی ہوئی اور معلوم ہوا کہ انسانی ذہن کس حد تک بھٹک جاتا ہے۔ جو لوگ ان باتوں کو محض خیالی قصے سمجھ کر ہنسا کرتے تھے۔ اس کے بعد سے انھوں نے ان پر ہنسنا چھوڑ دیا۔

میں تقریباً پوری دنیا کی سیاحت کر چکا ہوں۔ غیر معمولی اشیاء کی تلاش اور ما فوق البشر حالات کی ٹوہ نگانا میرا مشغلہ ہے۔ آپ نے ڈوسل ڈرووف کے خون آشام پیٹر کورٹن کے بارے میں ضرور سنا ہوگا جو انسانی خون سے اپنی غیر فطری پیاس بجھانے کے لیے قتل کیا کرتا تھا برلن کے اس نصاب کی کہانی بھی اب منظرِ عام پر آچکی ہے جو جوان سال خواتین کو قتل کر کے، مشین میں ان کے جسموں کا قیمہ بنایا کرتا تھا۔ مونچن کا وہ عفریت ایک پروفیسر تھا جس نے خون پینے کے لیے چار سو جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور وہ فرانسیسی فوجی افسر جو تازہ تھریں کھودے ہوئے گرفتار ہوا تھا اور اسے جسے انسانی گوشت

نہدہ برآ ہو گیا تھا۔

میں وکٹوریہ ہاسپٹل جا پہنچا۔

ڈاکٹر ٹوڈ کو تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری نہ ہوئی۔ وہ ایک مشہور آدمی تھا۔

رسمی باتوں کے بعد میں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو ڈاکٹر ٹوڈ کا چہرہ دوبران ہو گیا۔ اس نے آنکھیں سکیڑ لیں اور کئی منٹوں تک میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مجھ سے کئی سوالات کئے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے بارے میں یہ جاننا چاہتا ہے کہ مجھے واقعی اس معاملے میں تحقیق کرنے سے دل چسپی ہے یا میں محض تجسس رنج کرنے کے لیے اس کے کان کھانے کے لیے پہنچ گیا ہوں۔

میں نے بڑی سنجیدگی سے اس کے ہر سوال کا جواب دیا اور بالآخر اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں نہ صرف جزیرہ ہلما ہارا کے کا اہل ہوں بلکہ وہاں سے وہ معلومات حاصل کر کے واپس بھی آ سکتا ہوں جن کی اُسے ضرورت تھی۔ جب وہ مطمئن ہو گیا تو مزید بات چیت کے بعد ہمارے درمیان باقاعدہ یہ سودے بازی ہو گئی کہ وہ اپنے مخصوص مریض سے مجھے ملنے کی اجازت دے دے گا۔ اور اگر میں اس مریض سے مل کر خونِ آشفام انسانوں کے سلسلے میں پُر یقین ہو گیا تو میں جزیرہ ہلما ہارا جا کر ذاتی طور پر تحقیقات کروں گا اور پھر ذاتی طور پر ڈاکٹر ٹوڈ کو رپورٹ پیش کروں گا اور اگر میں ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تو پھر ہم دونوں ہی یہ بھول جائیں گے کہ زندگی میں ہماری کبھی ملاقات بھی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر ٹوڈ کے اس مریض کا نام کرور تھا۔ وہ بوینیو کا مقامی تھا اور اس کی زندگی بحری سفر میں گزرتی تھی۔ وہ ایک ملاح تھا۔ کچھ عرصہ قبل وہ ایک تجارتی جہاز میں دجائی لوگوں کا سفر پر اتر کر ایک روز جزیرے کی سیر کو روانہ ہو گیا۔ وہ شام تک واپس نہ آیا تو اس کے ساتھیوں کو بیدار تشویش ہوئی۔ انھوں نے رات بھر اس کا انتظار کیا لیکن نہ وہ آیا اور نہ اس کی کوئی خبر ملی۔ مجبوراً تجارتی جہاز کو اپنے سفر پر روانہ ہو جانا پڑا۔ کچھ عرصے بعد وہ واپس وہاں آئے تو انھیں کرور ساحل پر موجود ملائین اس کی حالت پا گلوں جیسی تھی اور وہ خوف و دہشت کا جیتا جاگتا نمونہ لگتا تھا۔

میں کرور کے پاس پہنچا تو وہ اسپتال کے بیڈ پر بیٹھا سامنے کی دیوار کو گھور رہا تھا۔ اس کے منہ پر ہونٹے چہرے پر ذہنی اذیت منبجہ تھی اور اس کے اعضا ہار ہار کسی بے نام خوف سے کانپ کانپ جاتے تھے۔ اس کے پورے جسم پر جا بجا زخموں کے نشانات تھے جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کسی نے اسے بے پناہ اذیت دی تھی۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ وہ ٹھٹھا ہوا کسی ایسے وحشی قبیلے میں جا نکلا ہو، جس کے سنگدل لوگوں نے اسے اذیتیں دے دے کر اس حال کو پہنچا دیا ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ تہذیب و تمدن سے

ذوق حضرات موجود ہیں جو کسی غیر معمولی حسین تنہی کے دوہزار ڈالر تک ادا کر دیتے ہیں۔ یہ پیشہ میرے لیے یوں بھی موزوں ہے کہ اس طرح مجھے دنیا کے مختلف حصوں میں گھومنے کا موقع مل جاتا ہے اور اسی دوران غیر معمولی حالات کی تحقیق کے جنوں کی بھی تسکین ہو جاتی ہے۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اپنے پیشے اور شوق کی وجہ سے مجبور ہو کر میں نے پوری دنیا کے نقشے کو سفر کر کے کیسے تسخیر کیا ہو گا۔ میں تو دنیا کے ایسے حصوں کا بھی سفر کر چکا ہوں جہاں انسانی قدم مجھ سے پہلے کبھی نہیں پہنچے۔ وہ مقامات آج بھی گنام ہیں لیکن تیلیوں کی تلاش مجھے وہاں تک بھی لے گئی تھی۔ میں ایسے ویرانوں میں بڑی خوشی سے قیام کرتا ہوں جہاں دُور دُور انسانوں کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ البتہ وہاں تیلیاں ضرور ہوتی ہیں لیکن میں اسی وقت قیام کرتا ہوں جب چلتے چلتے میرے پاؤں جھک جاتے ہیں۔

فروری، ۱۹۰۷ء میں میرا قیام کہ لا پور میں تھا کہ میں نے پہلی بار ملایا انڈریشن کے لیے کام کرنے کے دوران ہلما ہارا کے جزیرے میں خونِ آشفام انسانی بھیڑیے کے سلسلے میں افواہ سنی۔ میرا فطری تجسس جاگ اٹھا اور میں اس سلسلے میں تحقیقات کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ سنگاپور میں تو ان خونِ آشفام بھیڑیوں کی داستانیں زبان زدِ عام تھیں لیکن میں جیسے جیسے تحقیقات کرنے لگا، معاملہ روربر وزمہم ہوتا چلا گیا۔ میں نے بے شمار لوگوں سے سوالات کیے لیکن کوئی بھی مجھے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ میں محض افواہوں پر کان دھر کر سفر کرنے کا مادی نہیں تھا۔ مجھے کسی ٹھوس ثبوت کی ضرورت تھی۔ میں ہوٹلوں، شرب خانوں، کلبوں اور بازاروں میں گھومتا رہا اور لوگوں سے باز پرس کرتا رہا۔ ہر کوئی مجھے یقین دلاتا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے، درست ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی مجھے کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہ کر سکا۔ مجھے ان کی باتیں نشے میں ہانکی ہوئی بڑے محسوس ہونے لگیں اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ بھی کسی شرابی کی اڑائی ہوئی گپ ہے۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں ان باتوں کو محض افواہ قرار دے کر اپنے ذہن سے جھٹک دیتا، اچانک میری ملاقات ایک نیم اندھے آرٹ ڈیلر سے ہو گئی جو دنیا بھر میں گھوم چکا تھا اور جس کے ہر جگہ ٹھوس رابطے موجود تھے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس سلسلے میں وکٹوریہ ہاسپٹل سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہوں۔

”وہاں ایک ایسا آدمی موجود ہے جو میرے خیال میں تمہارے لیے بے حد مدد چسپی کا باعث ثابت ہو سکتا ہے۔“ اس نے سرگوشی کے لہجے میں بتایا۔ وہاں جا کر ڈاکٹر ٹوڈ کے بارے میں معلوم کر لینا۔ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اس معاملے میں ہاتھ ڈال چکا ہے۔“

اس کے بعد میں نے اس آرٹ ڈیلر سے کئی سوال کئے لیکن وہ یوں خاموش ہو گیا جیسے بولنا ہی نہ جانتا ہو۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے ایک اشارہ دے دیا مینا اور اس کے بعد ہر قسم کی ذوق داری سے

دور رہنے والے ایسے وحشی قبائلی اجنبیوں سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کروکران اذیتوں کو برداشت نہیں کر سکا ہوگا اور ذہنی توازن کھو بیٹھا ہوگا۔ زخموں کے نشانات اور اس کی ابرجالت سے لوگوں نے خود ہی یہ مفروضہ قائم کر لیا ہوگا کہ وہ خون آشام انسانوں کے ہتھکڑے کیا تھا جنہوں نے اس کا خون پینے کی کوشش کی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ غالباً وہ چشم تصور سے ماضی کے وہ خوفناک مناظر دیکھ رہا تھا جن سے گزر کر وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ وہ اپنے آپ میں اس حد تک گم تھا کہ کوئی اس کے قریب بیٹھا جتنی چاہے باتیں کرتا رہے۔ وہ آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ ایک طرح سے اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔

”کروکر... ڈاکٹر ڈوڈ کے بھٹوسے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔
”بتاؤ ہمارا میں تمہارے ساتھ کیا واقعات پیش آئے تھے؟“

ہمارا کا نام سنتے ہی کروکر کے حلق سے ایک وحشت بھری چیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر بستر سے اتر گیا۔ چند لمحوں تک وہ چھٹی چھٹی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا... پھر جلدی سے پلنگ کے نیچے گھس گیا۔ اس دوران میں، اس کے حلق سے مسلسل ڈری ڈری سی آوازیں نکلتی رہی تھیں۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ وہ پلنگ کے نیچے دیوار سے یوں الجھا ہوا تھا جیسے اس میں سما جانا چاہتا ہو۔ اس کی زبان سے بار بار ایسے الفاظ ادا ہو رہے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بعض ایسے انسانوں سے دغمت زدہ ہے جو اس کا بیچھا کر رہے ہیں اور اسے بوٹی بوٹی کر کے کھا جانا چاہتے ہیں۔

اب اس معاملے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ ہمارا میں اس کے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے۔ وہ سچ ہے۔

✽

تین ہفتے بعد میں اس ساحل پر کھڑا تھا، جہاں سے کروکر ٹھلٹا ہوا ہمارا جزیرے کی طرف نکل گیا تھا۔ میں جس جہاز سے اتر تھا، اس میں موجود ملاخوں نے مجھے گھنے جنگل میں جانے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن میں آتش شوق میں سر سے پاؤں تک جھلس رہا تھا میرے قدم رک نہیں سکتے تھے۔

میں ساحل سے دور نکل آیا۔
جزیرہ ہمارا چھوٹی بڑی پہاڑیوں، تھاروں اور گھنے جھکلات کا ایک ناقابل عبور سلسلے پر مشتمل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسی کو اس طرف جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

نیرگنی اور فلپائن کے درمیان واقع علاقے میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں مجھے معمولی شہد تھی۔ اس علاقے کی بیشتر آبادی مسلمانوں کی ہے لیکن میں جس مقام پر پہنچ چکا تھا یہاں دنیا کے

کسی بھی مذہب یا تہذیب کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہاں کے لوگ وحشی ہیں اور وہ کسی اور معاشرے کی قدروں کو قبول کرنے پر کسی قیمت پر بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کو اجنبیوں سے اسی قدر نفرت تھی کہ وہ انہیں دیکھتے ہی ہلاک کر دیتے تھے۔ اپنے جنوں کی وجہ سے میں نے کبھی اپنی زندگی کی پہچان نہیں کی تھی۔ اگر میں زندگی کی پہچان کرنے والا ہوتا تو ایسا پیشہ ہی کیوں اختیار کرتا ہوں تو جان تھمیل پر لیے پھرتا تھا اور یہی میرے پیشے کا تقاضا تھا اور اسی وجہ سے میں اس پیشے میں کامیاب بھی تھا۔

اس سے پہلے برما، شمالی امریکہ اور فلپائن کے بعض علاقوں میں مجھے وحشی قبائل سے سال بھر چکا تھا۔ لیکن میری کھوپڑی ابھی تک میرے کندھوں کے درمیان موجود تھی۔ مجھے یہ بھی خوف نہیں تھا کہ اچانک کوئی خون آشام بھیڑ یا کسی جھاڑی سے نکل کر میرے سامنے آجائے گا اور اپنے نوکیلے دانت میری ٹانگ میں گاڑ دے گا... اور پھر میں بھی خون آشام بن جاؤں گا۔ میرا عقیدہ ہے کہ انسان کبھی خون آشام نہیں بن سکتا۔

کبھی کبھی مجھے ایسے جنونی قسم کے انسانوں سے ضرور خوف آتا تھا جو بزم خود خون آشام بھیڑیے ہوں۔ ایسے لوگ نہ تو لین قسم کے خطرناک لوگوں سے زیادہ ظالم ہوتے ہیں اور ان سے کسی بھی قسم کی رحم کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ میرا تجربہ تھا کہ پاگل اور جنونی قسم کے لوگ اذیت پہنچانے کے سلسلے میں غیر معمولی ذہین اور دلیر ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے نفسیاتی قسم کے قاتلوں کے واقعات سنے ہیں تو آپ کو میری بات کی پکائی پھر یقیناً اعتبار آجائے گا۔ وہ بظاہر بے ضرر اور معصوم نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت اس معصومیت کے پردے میں درندگی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس درندگی سے البتہ میں ضرور ڈرتا تھا کیونکہ یہ کب کب نکل کر سامنے آئے گی۔ اس سلسلے میں کوئی بھی قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

محمد سجاد بھٹو 03045503086

میں گھنے جنگل میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا

اس دوران میں میری نظریں مسلسل اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں پوری طرح چوکس تھا، خاص طور سے درختوں کی طرف سے میں بیدمٹا تھا۔ جنگل میں درخت ہی سب سے زیادہ دھوکہ دیتے ہیں اور یہی سب سے زیادہ خطرناک بھی ہوتے ہیں کیونکہ کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کسی درخت کے پیچھے کیا پوشیدہ ہے مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں تھی کہ بے خبری میں مارا جاؤں۔ میں تو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مرنے والوں میں سے ہوں۔

گھنے جنگل میں جیسے جیسے میرے قدم شمال کی طرف اٹھ رہے تھے درختوں میں کمی واقع ہوتی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں میدان بھی نظر آنے لگے تھے اور ان میدانی جگہوں پر ابھی کھیتیاں دکھائی دیتی تھیں جن سے پتا چلتا تھا کہ آس پاس کہیں نہ کہیں کوئی انسانی بستی ضرور ہے۔

میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ناریل کا شہتہ کیے گئے تھے۔ ناریل کے ان درختوں میں رک کر میں نے ادھر ادھر تلاش نظروں دیکھا تو مجھے ایک بھیڑی روح نہیں دکھائی دیا۔ ایک کھوکھلا سا احساس میرے وجود پر طاری ہو گیا۔ ناریل کے ان درختوں کے نیچے مجھے کوکا کی جھاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ بوسٹ کے پودے دیکھ کر تو میں لرز رہی اٹھا کسی صحت مند آدمی کو اگر کچھ عرصے تک کوکین کھلاتے رہے، پھر دیکھیے کہ وہ کیا بن جاتا ہے۔ یقیناً وہ ایک ایسی ہستی میں تبدیل ہو جائے گا کہ خون آشام بھی اس سے پناہ مانگنے لگیں گے۔ ایسے میں غیر مہذب یافتہ لوگ مہذب دنیا کے لیے غول بیابانی ثابت ہوتے ہیں تو اس میں جھلا تعجب کی کیا بات ہے؟

دفعاً میں چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرے کانوں سے کسی کے کانوں کی آواز ٹکرائی تھی۔ یہ انسانی آواز تھی جسے سنتے ہی میں ایک قریبی جھاڑی میں دھب گیا۔

کچھ دیر میں جھاڑی میں چھپا گلے کی آواز سناتا رہا۔ پھر نہایت احتیاط سے شاخیں ہٹا کر دوسری طرف جہانکا تو مجھے آبشار سے آنے والے پانی سے لبریز ایک جوہر دکھائی دیا۔ یہ تالاب اس جھاڑی سے بیس گز کے فاصلے پر رہا ہو گا جس میں اس وقت چھپا بیٹھا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

ایک بچی حسین عورت دکھائی دی۔ وہ سمجھی تو گنگنانے لگی تھی اور کہیں اس کے ہونٹوں سے دل گداز نغمہ فضا میں منتشر ہونے لگتا تھا۔ وہ کمر تک اس تالاب کے شفاف پانی میں ڈوبی کھڑی تھی۔ اور ماحول سے بے نیاز اپنی ہستی کے حسن میں سرشار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے گھٹاؤں جیسے سیاہ لمبے بال کمر تک جھل رہے تھے۔

میں نے کسی سے سنا تھا کہ ہمارا کے لوگ بچہ حسین ہوتے ہیں اس وقت میں جس ہستی کو دیکھ رہا تھا وہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اتنی حسین اور پیکرکش عورت نہیں دیکھی تھی۔ وہ دوسروں کے دلوں میں آگ لگا دینے والے حسن و شباب کی مالک تھی اور میرے لیے جھاڑی میں چھپ کر بیٹھے رہنا محال ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن مجھے یہ بھی احساس تھا کہ آدم خور انسانوں کے اس علاقے میں ایک اجنبی کی حیثیت سے اگر میں وہاں کی کسی حسینہ سے بات چیت کرتا پایا گیا تو رات کے کھانے پر ان کے دسترخوان کی زینت بن سکتا ہوں۔

میں سانس روکے اسے دیکھتا رہا۔

اس عورت کی موجودگی سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ قریب ہی ایک انسانی لہجے میں موجود ہے۔ میں یکایک نکل کر اس کے سامنے پہنچا تو کوئی غیب نہیں تھا کہ وہ چپختی ہوئی اپنے گاؤں کی طرف بھاگ اٹھتی اور اس کے بعد میرا جو حشر ہو سکتا تھا اس کا محض تصور ہی روح تک کو لہذا دینے کے لئے کافی تھا۔

وہ ایک طویل القامت عورت تھی۔ اس کا سر بافتنا سب تھا اور اس کی جلد سنہری تھی۔ میں نے جھاڑی سے نکل کر اس کے سامنے چلنے کی جرأت نہیں کی بلکہ یہ کوشش کی کہ رفتہ رفتہ اسے یہ احساس ہو جائے کہ قریب ہی چھپا ہوا کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے۔ مجھے یہ انتظار تھا کہ میری موجودگی کے احساس پر وہ کس رد عمل کا اظہار کرتی ہے۔

میں سانس روکے اسے دیکھتا رہا۔

کبھی کبھی میں جھاڑی کی شاخ کو حرکت دیتا اور اپنی موجودگی کا مبہم سا اشارہ کر دیتا۔ لیکن وہ ابھی تک میری جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ تاہم وہ ایک عورت تھی اور دنیا کی کوئی عورت زیادہ دیر تک اپنی ذات پر جمی ہوئی نگاہوں سے غافل نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنی وجدانی قوت سے جلد ہی یہ محسوس کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ آس پاس کوئی موجود ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔

وہ بہت آہستہ آہستہ گھوم گئی۔

اس کی نظریں گردن کرتی ہوئی اس جھاڑی پر رک گئیں۔ جس میں میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ دیر تک اپنی غیر معمولی سیاہ، پیکرکش اور ساحر آنکھوں سے جھاڑی کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔ غالباً وہ جھاڑی میں میری جھلک دیکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود نہ تو ابھی تک اس نے اپنے حلق سے کوئی آواز نکالی تھی اور نہ ہی نظریں ہٹائی تھیں۔ میں نے آہستہ آہستہ شاخیں سامنے سے ہٹا دیں۔ اب وہ مجھے صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

اس کے متہمس ہونٹوں کے گوشے پھڑکنے لگے۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنے والی تھی۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کہا اور اچانک ہی ہلٹ گئی۔

وہ پانی میں چلتی ہوئی تالاب کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں شاخیں ہٹا کر جھاڑی سے سامنے نکل آیا۔ کناروں پر پانی کم گہرا تھا۔ جیسے جیسے وہ نسبتاً کم گہرے پانی کی طرف بڑھ رہی تھی میری رگوں میں خون کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

پانی سے نکل کر اس نے اپنے گیلے بالوں کا جوڑا بنا کر انھیں بیٹھا اور شیر کی کھال میں اپنا آپ لپیٹ لیا۔ وہ اب بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں خوف یا تردید کا شاٹھ تک نہیں تھا اور نہ ہی اس کے دیکھنے کے انداز میں تجسس کی جھلک تھی۔ یوں محسوس ہوتا جیسے میری ہستی اس کے لئے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔ میں بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اب تک مجھے اس کے چہرے پر کسی جذبے کی کوئی جھلک محسوس نہیں ہوئی تھی۔ جذبات اور تاثرات سے عاری چہرے اور سپاٹ آنکھوں سے بس وہ میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

میں نے مقامی زبان کے ٹوٹے پھوٹے جملوں سے اپنا مفہوم ادا کرتے ہوئے کہا: میں ایک شریف آدمی ہوں۔ مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں بہت دور سے آیا ہوں اور میرے پاس تم لوگوں کے لیے کچھ تحائف بھی موجود ہیں۔

محمد سجاد بھٹی 03045503086

جواباً اس نے کچھ کہا۔

زبان میرے لیے اجنبی اور نامانوس تھی۔

میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے وہ ڈچ زبان بولنے کی کوشش کی جو دور افتادہ علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

”میں ایک دوست کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا۔
”تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟ کیا تم لوگ قدیم ڈچ زبان بولتے ہو؟“

”ہاں... میں تمہاری زبان سمجھ رہی ہوں اور میں ڈچ زبان بول سکتی ہوں۔“ اس نے جواب دیا: ”کیا تم راستہ بھول گئے ہو؟“
مارے خوشی کے میں اچھل پڑا۔

”نہیں۔ میں راستہ نہیں بھولا ہوں۔ میں نے کہا: ”میں ایک سیاح ہوں اور دور دراز علاقوں میں تنہا ہی سفر کرتا ہوں۔ میں تیلیوں کا شکاری ہوں۔“

میرے پیشے کے بارے میں جان کر لوگ اکثر مسکرا دیتے ہیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ سامنے والا مجھے ایک بے ضروری ہستی تصور کرتا ہے۔ ظاہر ہے، کسی تیلیوں کے شکاری سے کسی کو کیا خوف و خدشہ لاحق ہو سکتا ہے... لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس عورت کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نمودار نہیں ہوئی۔ مسکراہٹ تو درکنار اس کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ وہ سنگ مرمر کے کسی حسین مجسمے جیسے خیالات سے مادی چہرے کے ساتھ میری طرف دیکھ رہی تھی اور مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کی آواز میں مٹھاس اور نرمی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ بے پناہ پرکشش ہونے کے باوجود آواز کی نفی کر رہا تھا۔

اچانک ہی پلٹ کر وہ ایک طرف چل دی۔ چلتے چلتے اس نے گھٹن گھا کر میری طرف دیکھا اور بولی۔
”میں تیرا ہوں۔ میرے ساتھ ساتھ آؤ۔“



وہ بڑے ہی پروقار انداز میں چل رہی تھی۔ اس کی چال میں نکلت کے علاوہ حسن بھی تھا۔ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہوں۔ وہ ایک ایسی پگڈنڈی پر چلی جا رہی تھی جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔

میں اس کی چال سے مسحور اور لطف اندوز ہوتا ہوا چلتا رہا۔ ایک ایسے مقام پر جہاں دور دور تک کوئی انسانی چہرہ دیکھنے کو نہیں ملتی

ہوں۔ بیکار کوئی ایسا حسین مجسمہ بھی نظر نہ آتا تھا کہ انسان کا دل خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ جبکہ وہ تو پھر ایک جیتی جاگتی اور متحرک عورت تھی۔
تیسرے کھال میں وہ پہلے سے ہمیں زیادہ غاذب نظر دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اسے دیکھ کر میرے دل میں ایسے خیالات جنم لینے لگے جن کے بارے میں مجھے احساس تھا کہ ان کی تیسرے سوائے مصیبت کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔ میں نے یہ خیال فوراً ہی دل سے جھٹک دیا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اس کے لیے دنیا کا ہر خطرہ مول لیا جاسکتا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں اپنے قلب و ذہن کو معقولیت کے راستے پر گامزن کرنے میں کامیاب ہوتا اور اپنے بے نگام خیالات کو قابو میں کرتا، ہم گاؤں میں پہنچ گئے۔

یہ ایک وعرض میدانی جگہ تھی جہاں بڑی ہی خوشنما جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان جھونپڑیوں کی تعمیر میں درختوں کی شاخوں کے علاوہ گھاس بھوس بھی بڑے سینے سے استعمال کیا گیا تھا۔ جھونپڑیاں بے ترتیبی سے نہیں بنائی گئی تھیں۔ وہ قطار میں تعمیر کی گئی تھیں اور ان کے درمیان میں گلیاں تھیں جہاں گرد و غبار میں اٹے ہوئے بچے کھیل رہے تھے۔

جیسے ہی ان بچوں کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی، ان میں سے ایک بچہ بلند آواز میں چیخ پڑا۔

بچے کی آواز پر تمام بچے کھیل کو چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر انھوں نے ہمارے گرد جمع ہونا شروع کر دیا۔ بچے کی چیخ دُور دُور تک سنائی دی تھی جس کے نتیجے میں ہر جھونپڑے سے قبیلے کے جوان اور بوڑھے نکل نکل کر باہر نکلیں۔ آنے لگے۔ ہر شخص مجھے گھور رہا تھا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ تیرا کا احترام کرتے ہیں۔ ہمارے گرد ہونے والے ہجوم نے چند قدموں کا فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے گویا ایک طرح سے حیدرآب کو پار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”پہلے پہل تو میں یہ سمجھا کہ وہ لوگ میری وجہ سے ایسا کر رہے ہیں لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ان میں سے ایک بھی شخص میری طرف متوجہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب کے سب خاموش نظروں سے تیرا کو گھور رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے چہرے پر ایک ہی تاثر تھا جو میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ میں نے ان کے چہرے پر ہنسنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ کافی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ ان تاثرات میں نفرت اور حیرت کی آمیزش ہے۔“

میری ریڑھ کی ہڈی پر خوف کی ایک نتھی سی چھپکلی نے اپنے بچے کاٹ دیئے اور آہستہ آہستہ رنگت ہوئی میری گدی تک پہنچ کر وہیں چبک لگی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میری جھٹی جس بہت دیر سے کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی لیکن میں اس کی طرف توجہ نہیں دے سکا تھا۔ خوف کی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی اور میں دائیں بائیں دیکھ کر

فرار کا کوئی راستہ تلاش کرنے لگا۔

میں ان لوگوں میں اس حد تک گھبراہو ا تھا کہ فرار کا اب کوئی بھی راستہ ممکن نہیں رہا تھا۔

یہ ایک تیلانے جیج کر تھکا نہ لےجے میں کچھ کہا۔

اس کا حکم سننے ہی کچھ نیزہ بردار نو جوان تیزی سے میری طرف بڑھے۔ میرا ہاتھ تیزی سے اپنے ریو اور کے دستے پر پہنچ گیا۔ میں نے ریو اور نکالنے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی لیکن نہ جانے کیا ہوا اچانک ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرے کی چادر سی پھیل گئی اور میں گہری تلذیبی میں ڈوبنا چلا گیا۔

✽

میرے سر کی حالت ایک ایسے ڈھول جیسی تھی جسے پوری قوت سے بجایا جا رہا ہو۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو اس پاس کی ہر چیز مجھے اپنی نظروں کے سامنے تیزی سے گردش کرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ہر شے دھند میں لپٹی ہوئی لگ رہی تھی۔ میں نے بار بار پلکیں جھپکیں تو منظر ذرا صاف ہوا۔ اس کے باوجود مجھے عجیب سی مسکراہٹوں میں مبتلا ہونے لگا۔ ہر طرف رقص کرتے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔ اچانک مجھے کھانسی آگئی۔ کھانسنے کے بعد میں نے پلکیں جھپکائیں تو ہر شے گویا اپنی اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔

کچھ دیر قبل میں نے خوفناک مسکراہٹوں سے سبے ہوئے جن دہشت ناک چہروں کو رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ انسانی کھوپڑیاں تھیں جو چھت سے جھول رہی تھیں۔

میں خوف سے لرز کر رہ گیا

میرا دل شدت سے دھڑک اٹھا۔

میں نے ان کھوپڑیوں کو دیکھا تو ان میں سے بیشتر جاپانیوں کی کھوپڑیاں تھیں۔ یہ شاید اس زمانے کی کھوپڑیاں تھیں جب جاپانیوں نے جزیرہ ہالابا پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ بعض کھوپڑیاں ٹیچ باشندوں کی بھی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے اس جھوپڑے میں رکھا گیا ہے جہاں اس قبیلے کے لوگ اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔

میرے حواس قدرے بحال ہوئے تو میں نے خود کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ میں آزاد تھا۔ انھوں نے مجھے باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں نے قدرے اطمینان کی سانس لی۔ اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا جو کھلا ہوا تھا۔

کھلے دروازے سے غور تیں اور مرد رکھائی دے رہے تھے

ان کے ہاتھوں میں گندا سے تھے اور وہ ان کی مدد سے ناربل کاٹ رہے تھے۔ بار بار گندا سے کی ٹھک ٹھک سنائی دے رہی تھی۔ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں کسی ایسے مقتل کے قریب لیٹا ہوا ہوں جہاں انسانی کھوپڑیاں توڑی جا رہی ہوں۔

میں بیک جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ ایسا ہی کوئی گندا سہ محض

ایک ضرب سے میری گردن کاٹ کر کھوپڑی کو تن سے جدا کر سکتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ میری گردن درحقیقت کتنی نرم و نازک ہے۔ وہ اس تیز دھارا اور چمکدار گندا سے کی ایک ضرب ہی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

میرا ذہن تیزی سے فرار کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ روز روشن میں ان جلادوں کو جیل دے کر یہاں سے نکل جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اب مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ میں نادانستی میں آدم خور قبیلے میں آ پھنسا ہوں۔

میں نے گہری نگاہ سے باہر دیکھا تو سایوں سے اندازہ ہوا کہ شام ڈھل رہی ہے اور جلد ہی رات کا اندھیرا پھیلنے والا ہے۔ میں تاریکی سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے فرار کی کوشش کر سکتا تھا۔ میں نے بھاگنے کا منصوبہ بنانے پر غور کرنا چاہا تو میری ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ خوف میرے ذہن پر اس قدر غالب تھا کہ میں واضح طور پر کچھ بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

میری نگاہوں کے سامنے ایک بڑی سی گول جھوپڑی تھی۔ آتے وقت میں نے اسے دور سے دیکھا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ جھوپڑی کھاؤں کے عین وسط میں بنی ہوئی ہے۔ وحشی قبیلے کے لوگوں کی وہاں آمد و رفت سے میں سمجھ گیا کہ اس گول جھوپڑی کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

میرا سراپ بھی بری طرح دکھ رہا تھا اور کھوپڑی چکرار ہی

تھی۔ چوٹ غالباً سر کے عقبی حصے پر پڑی تھی۔ مجھے اپنی دکھتی ہوئی کھوپڑی میں دماغ کا گودا دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور لیٹ گیا۔

میں زیادہ سے زیادہ آرام کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے رات کی تاریکی پھلنے کا بھی انتظار کرنا تھا۔

مجھے جس جھوپڑی میں رکھا گیا تھا وہ زمین سے کافی اونچی تھی۔ میں اس کے کھلے دروازے سے پورے گاؤں کا نظارہ کر سکتا تھا۔ ابھی مجھے آنکھیں بند کر کے لیٹے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

کئی ٹھوس مضبوط ہاتھوں نے مجھے اچانک ہی جکڑ کر اٹھالیا تھا۔

وہ لوگ مجھے اٹھا کر لکڑی کی سیڑھی کے نیچے پہنچے اور پھر اس گول جھوپڑی میں لے گئے جو اس جھوپڑی کے مقابل تھی اور جسے بری دانست میں کھاؤں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

ایک درجن کے لگ بھگ آدم خوروں نے مجھے اٹھا رکھا تھا اور بڑی خاموشی سے چم بنی زینہ چڑھ کر اوپر آئے تھے اور انھوں نے اچانک ہی مجھے اپنی گرت میں بے بس کر لیا تھا۔ میں کچی نیند میں تھا۔ اس لیے

جذبات و تاثرات سے مدی تھا۔ سنگ مرمر جیسا حسین اور کشش... لیکن
مٹھوس پہرہ میری طرف متوجہ تھا۔ اس کی سائے آنکھیں میری جانب لگی
تھیں۔

وہ میرے سامنے پہنچ کر رک گئی۔

کچھ دیر وہ میری آنکھوں میں دیکھتی رہی... پھر میں نے پہلی بار
اسے مسکراتے دیکھا۔ اس کے ہونٹ پھیل گئے اور ایک کشادہ مسکراہٹ
ان ہونٹوں پر برز نے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں بے پناہ جھک
بھی پیدا ہو گئی۔ مجھے وہ پہلی بار مجھے کے بجائے ایک زندہ عورت نظر آ رہی
تھی۔ میں نے اس کے پورے جسم میں ایک نئی زندگی کی لڑی دوڑتی صاف
محسوس کی تھی۔

محمد سجاد بھٹی 03045503086



گول جھونپڑے کے ماحول میں بہت سے مردوں نے بیک وقت
سانس لی تو یوں محسوس ہوا جیسے قریب ہی کئی بہت بڑا اثر دھا پھینکا ہو۔
اتنے بہت سے آدمیوں کی وجہ سے فضا کافی گرم ہو گئی تھی۔ ٹیلیں میں سرد
پڑتا جا رہا تھا۔ اتنی ٹھنڈک تو کبھی مجھے کسی سرد خانے میں بھی محسوس
نہیں ہوئی تھی۔ جتنی میں اس گرم جھونپڑے میں محسوس کر رہا تھا۔
میرے رونگے کھڑے ہو گئے تھے۔

میں تھر تھر کاپنے لگا تھا۔

میرے جسم کے اندر کے تمام اعضا یکایک سکڑنے لگے تھے اور
میری جلد تن گئی تھی۔ اس سے پہلے مجھے جو بے پناہ پسینہ آرہا تھا۔ وہ یکایک
ہی خشک ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری بغلوں میں ہر طرف کی فلیں جھونے
لگی ہوں۔ اس سے پہلے میں کئی ایسے مقامات پر پھنس چکا تھا جہاں مجھے
احساس ہوا تھا کہ شاید میری موت واقع ہو جائے گی لیکن جو احساس
اس وقت ہو رہا تھا۔ البتہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے حقیقی
خوف کا مجھے کبھی ادراک نہیں ہوا تھا... اور جب تیلہ مسکرائی تھی تو
زندگی میں پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ درحقیقت خوف کسے کہتے ہیں۔

اس کے سرخ ہونٹوں کے درمیان سے جھانکنے والے چکدار سفید
دانت کسی کتے یا بھیڑیے کے دانتوں کی طرح بے اور نوکیلے تھے۔ تیز
دانت... مجھے ان پر ہڈی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے خنجروں کا
گمان ہونے لگا۔ وہ اتنے تیز تھے کہ اگر وہ اسٹیل کی سلاح میں دانت
گاڑ دیتی تو شاید وہ اس میں بھی پیوست ہو جاتے۔

وہ میری طرف دیکھ کر مسلسل مسکرا رہی تھی اور میں سرٹ کر
اس نکلڑی کے کھبے میں سما جانے کی کوشش کر رہا تھا جس کے ساتھ
بٹھا کر میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے تھے۔ میں اس کی نظروں
سے بچنے کے لیے سرٹ کر رہا تھا جو اب مجھے اپنے جسم میں چبھتی محسوس
ہونے لگی تھیں۔

اس کے دائیں ہاتھ پر کسی سیال سے لبریز ایک پیالہ رکھا
ہوا تھا۔ اس نے وہ پیالہ میرے لبوں کے قریب کر دیا۔ میں نے

خود کو ان سے بچانے کے لیے کچھ کرنے سے قبل ہی پوری طرح نرغے میں
آ گیا تھا۔ جسامت اور سطاقت کے اعتبار سے، میں ان سب سے فرداً
فرداً زیادہ تھا۔ لیکن مجموعی طور پر وہ آسانی سے مجھ پر حاوی ہو سکتے
تھے اور کسی درخت کے کٹے ہوئے تنے کی طرح مجھے اٹھانے میں کامیاب
بھی ہو سکتے تھے۔

مرکزی جھونپڑے میں بے جا کر انھوں نے مجھے جھونپڑے کے درمیان
کھبے کے قریب زمین پر پہنچ دیا اس سے پہلے کہ میں ان کے الادوں
سے آگاہ ہو تا انھوں نے میرے ہاتھ پیچھے کر کے اس مضبوط کھبے کے
گرد گھما کر باندھ دیے۔

اس جھونپڑے کی چھت سے انسانی کھوپڑیوں کے علاوہ بعض درندوں
کی کھوپڑیاں اور کھالیں بھی لٹکی ہوئی تھیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر مجھے
اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ درندوں کے بیماری ہیں۔ میں جانتا تھا کہ تہذیب
تدن سے دور کچھ قبائل ایسے بھی ہیں جو آدم خور ہونے کے علاوہ درندوں
کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ یہ بھی کوئی ایسا ہی قبیلہ معلوم ہوتا تھا... اور
اب یہ لوگ اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے
تھے۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ ہر طرف عجیب سے سنائے کا راج
ہے۔ کسی ٹکاؤں میں، جہاں بچے اور عورتیں بھی موجود ہوں۔ ایسی خاموشی
برپا رہی عجیب اور ناقابل فہم معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے مجھے
ناگزیر حالات سے تحت جتنی بھی وحشیانہ مذہبی رسومات میں شرکت کرنے
کا موقع ملا تھا ان میں بے پناہ شور، چیخیں اور خلیقیں پھاڑ پھاڑ کر گائے
گئے نفوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی جبکہ یہاں ایسا نہیں تھا۔

میرا تجربہ اور میری معلومات یہاں فیمل ہو سکتی تھیں۔ اچانک میری
نگاہوں میں کروڑوں کا چہرہ گھوم گیا۔ وہی مریض جس سے میں نے اس جزیرے
سے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ
یہاں پر کتنی اذیت برداشت کر کے گیا تھا۔
میں آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اس سنائے میں مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ میرے
آس پاس بھاری بھاری سانسوں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف
مرد ہی میرے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ ان میں ایک بھی عورت نہیں تھی
خوف کی وجہ سے پیدا ہونے والے پسینے کی بو میرے نچھنوں سے ٹکرا
رہی تھی۔ ماحول میں کشیدگی تھی اور میرا دل سینے میں دوں دھڑک رہا جیسے کوئی
میرے سینے میں پیٹھا ہتھوڑے چلا رہا ہو۔

اچانک میرے گرد پھیلے ہوئے حصار کا ایک حصہ پھٹ گیا۔ میرے
ہاتھوں پر ہاتھوں کی گرفت ختم ہو گئی۔ اب صرف رستی کی ہڈیوں کو چٹخا دینے
والی بند تھیں باقی رہ گئی تھیں۔ میں نے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے
آدمیوں کو گھیرا ختم کر کے ایک طرف ہٹنے ہوئے دیکھا تو مجھے تیلہ نظر آئی۔
وہ دروازے سے اندر آ کر میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کا ہر اس وقت

منہ پھیر کر ہونٹ اس پیالے سے دور کر لیے تو اسی لمحے ایک تیز دھار نیزے کی انی میرے نر خے پر آ کر جم گئی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ یا تو میں وہ سیال پی لوں یا پھر نیزہ میرے حلق سے پار ہو جائے گا۔ میں نے خوفزدہ ہو کر مہاگنی رنگ کے اس گاڑھے رنگ کے سیال کی طرف دیکھا اور سوچا کہ اگر وہ کوئی نہر ہے تو اسے پی کر مجھے اذیت ناک لمحوں سے نجات مل سکتی ہے۔

میں نے ہچکچاتے ہوئے ایک گھونٹ لے لیا۔

میرا منہ اور حلق کڑوا ہٹ سے بھر گیا اور دل اچھل پڑا۔ مجھے اپنا سینہ بھاری سانسوں ہونے لگا۔ دوسرا گھونٹ لیتے ہی مجھ پر غنودگی سی چھانے لگی۔

میں سمجھ گیا کہ یہ کوکین کا مشروب ہے۔

اس گاڑھے سیال نے میرے اعصاب پر اچھا اثر کیا۔ میں نے اوپر تلے دو تین گھونٹ اور لے لیے اور دل ہی دل میں شکریہ ادا کرنے لگا کہ ان لمحوں میں تو یہ سیال میرے لیے روح افزا شربت ہے۔

میں نے تیلہ کی طرف دیکھا۔

وہ پیالہ ہاتھ میں لیے میری طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ جھک تھی۔ اور وہ بالبد کسی ایسے درندے کی طرح اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی جو گوشت کھانے کے لیے تیار ہو رہا ہو۔

سیال میرے حلق سے اترتا تو مجھے اپنا پورا جسم شل ہوتا محسوس ہوا۔ اچانک تیلہ میری طرف مزید جھک آئی۔ میں نے اس کا منہ اپنے بازو پر محسوس کیا۔ اسی لمحے مجھے اپنے بازو پر ایک جگہ جھن کا احساس ہوا۔ اس کے نوکیلے اور تیز فانتوں نے گوشت پر ایک چر کہ لگایا۔ فوسا ہی وہاں سے سرخ سرخ خون اُبل پڑا۔ وہ کسی ایسی جونک کی طرح زخمی بانو سے چٹ گئی جو میرے تازہ خون سے اپنی پیاس بجھانا چاہتی ہو۔

میں نے تھما کر اپنے بازو کو اس کی گرفت سے نکالنا چاہا لیکن وہ ٹس سے مس بھی نہ ہو سکا۔ وہ میری اس تکلیف سے بے نیاز خون پتی رہی۔ کسی ایسے خون کشام چمکا ڈک کی طرح، جس کا گزیر بسر انسانی خون پر ہو۔

اب اس جھونپڑے کی فضا میں صرف دو آوازیں سنی جا سکتی تھیں۔ میری اذیت میں ڈوبی ہوئی چیخیں اور اس کے خون پینے کی شپ شپ آوازیں۔ وہ مر جھکوں کی طرح بڑے بڑے گھونٹ لے رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک جھٹکے سے، میرے بازو سے منہ ہٹایا اور مجھ سے دور ہٹ گئی۔ اس کے ہونٹ میرے خون سے بھر پور ہوئے تھے اور اس کے منہ سے خون کی ایک پتلی سی لکیر بہ کر مٹھوڑی تک چلی آئی تھی وہ اب بھی مسکرا رہی تھی اور اس پر کسی زندہ مجسے سا گمان ہوتا تھا۔ میرے خون نے جیسے اس سنگ مرمر کی صورت میں زندگی کی لہر دوڑادی ہو۔

اس کی سیاہ آنکھوں میں بے پناہ جھک تھی اور ان میں ناقابل فہم تاثرات کروٹیں لے رہے تھے۔

اچانک میں نے اس کے پورے جسم پر کیکپا ہٹ پھیلنے دیکھی اس نے چھنکارتی ہوئی آواز میں کوئی حکم دیا تو اس کے ہونٹوں پر میرے خون کے بلبلے بن کر ٹوٹنے لگے۔ مجھے فوری طور پر آزاد کر دیا گیا۔

اگلے ہی لمحے جھونپڑے میں موجود تمام آدم خور چلے گئے اور ہم دونوں تنہا رہ گئے۔

میرے رگ دریشے گویا سیال بن کر بہہ گئے تھے۔ میں بے حد نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ بیٹھنا میرے لیے دو بھر ہو گیا۔ میں لہرایا اور ڈھیر ہو گیا میں جو اپنے ہاتھوں کی طاقت سے گھوڑے کی آہنی ٹھل کو سیدھا کر سکتا تھا۔ ایک سو پاؤنڈ وزنی بوری کو دیولہ پر مار کر اس کے پیچھے پڑے بکھیر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت کھڑا ہونا تو درکنار میں اپنے طور پر بلبلے بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ سب کچھ اس خون کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، جو تیلہ کے پینے کی وجہ سے ہوئی تھی اور نہ ہی میں اسے کوکین کے سیال کی وجہ سے سمجھتا تھا۔ یہ تو اس بھیانک خواب کا نتیجہ تھا جسے میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور وہ بھیانک خراب ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا۔

تیلہ کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اس نے مجھے اٹھتے دیکھا تو دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کر زمین پر پھینک دیا اور پھر کسی درندے کی طرح مجھ پر حملہ آور ہو گئی۔ اس کی گرفت آہنی تھی۔

میں طاقت اور توانائی سے محروم ایک بے جان سا کھلونا تھا۔ جسے وہ اپنی محض دو انگلیوں کے زور پر نوڑ سکتی تھی۔ کچھ دیر قبل جو عورت میرا خون پی رہی تھی، اب اس کی ہستی پر ایک نئی دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔

وہ جھونپڑے سے چلی گئی لیکن میرے دل دوماغ پر چھائی ہوئی نفرت و خوف کا احساس زائل نہ ہو سکا۔ میں نے عورت کو ہمیشہ حسین روپ میں دیکھا تھا۔ اس سے ہمیشہ لطیف ترین جذبات وابستہ کیے تھے۔ لیکن یہ دلنریب ہستی مجھے نفرتوں کی دھند میں دھکیل کر میرے رویں رویں میں اذیت کا زہر بھر کر چلی گئی تھی۔

میں اسے جان سے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن میری انگلیاں سن ہو کر رہ گئی تھیں۔ میں اے مجھ سے سے بھری ہوئی کسی بوری کی طرح زمین پر پھینک کر اپنی ایڑیوں سے کچل ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن میری ٹانگوں میں جیسے سیسہ بھر کر رکھا گیا تھا اور میں انہیں حرکت دینے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

اچانک میری نگاہ دیوانے کی طرف اٹھ گئی۔

دیوانے پر ایک وحشی نیزہ بردار کھڑا تھا۔

جہاں اس منوں سکاڑوں میں داخل ہوتے وقت بے ہوش ہونے کے بعد، یہ پہلی بار ہوش میں آیا تھا... سکاڑوں کے اس واحد جھونپڑے میں جو زمین سے بلند تھا اور جہاں جرموں کی بے شمار کھڑپڑاں بھول رہی تھیں۔



آئندہ پورے ایک ماہ کے دوران، ہر دوسری یا تیسری شب مجھے اس بلند جھونپڑی سے گشتاں کشاں مرکزی جھونپڑی میں پہنچا دیا جاتا تھا جسے اس سکاڑوں میں عبادت گاہ کا درجہ حاصل تھا۔ میں خود کو چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا، جو میری زردی آتا، اس پر گھونٹے برساتا، زینے سے نیچے جاتے وقت مٹھو کر میں مارتا لیکن کبھی آزاد ہونے میں کامیاب نہ ہوتا۔ اور وہ لوگ مجھے لے جا کر مرکزی جھونپڑے کے درمیان نصب کھمبے سے ٹیک لگا کر بٹھا دیتے اور پھر میرے ہاتھوں کو پشت پر لے جا کر اس کھمبے سے باندھ دیا جاتا۔

اس دوران میں کئی بار میں نے فرار ہونے کی بھی کوشش کی لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکا۔ میری ہر کوشش رائگاں چلی جاتی۔ ذرا کی ہر کوشش کے بعد میری نگہانی کا کام مزید سخت کر دیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھ پر مایوسی غالب آنے لگی اور میں ذہنی طور پر یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گیا کہ یہاں سے فرار ناممکن ہے۔ تاہم اس عرصے میں مجھے کئی ایسی باتوں کا علم ہو گیا تھا، جن سے استفادہ کیا جاسکتا تھا۔ جس پر ہر دیر سے پہلی رات بات چیت ہوتی تھی، وہ آج بھی میرا حور رہا تھا لیکن وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا تعلق اس وحشی قبیلے سے نہیں تھا۔ وہ ایک ڈپچ تھا اور حالات اسے یہاں لے آئے تھے۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح تیل کی دست برد سے محفوظ رہ کر اس قبیلے کا ایک فرد بن گیا۔ دنیا میں نہا تھا لہذا یہاں سے کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے قبیلے ہی کی ایک لڑکی سے شادی کر لی تھی اور تین بچوں کا باپ تھا۔

اس شخص کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خود تو تیل کو دیہی نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن قبیلے کے تمام افراد اسے حقیقی دیہی ہی تصور کرتے ہیں۔ یہ میرے لیے ایک قیمتی بات تھی اور میں نے اس سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ اگر سکاڑوں کے ان توہم پرست وحشیوں کو کسی طرح یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جاؤں کہ وہ جس عورت کو دیہی سمجھ کر ڈرتے ہیں۔ وہ دیہی نہیں بلکہ عام انسانوں جیسے گوشت پرست والی ایک عورت ہے۔ تو شاید وہ لوگ اس کے خلاف ہو جائیں اور یوں میری جان اس درندہ صفت عورت سے چھوٹ جائے گی۔ لہذا میں نے موقع ملنے ہی سکاڑوں کے لوگوں کے سامنے اس سلسلے میں اظہار خیال شروع کر دیا... لیکن اس کا بھی کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا۔ وحشی میری باتیں سننے اور ہنسنے اور ہنسنے ہنسنے لپٹ لپٹ ہو جاتے۔ وہ

میں نے محسوس کیا کہ اس پر ہزار کے دل میں میرے لیے ہمدردی کے جذبات ہیں۔
”تم... تم... لوگوں نے اس درندہ صفت عورت کو اپنے قبیلے میں رہنے کی اجازت کیوں دے رکھی ہے؟“ میں نے کراہ کر نقابہ بھر لہجے میں دریافت کیا۔

”اس لیے کہ یہ عورت اس دیہی کی ہم شکل ہے، جس کی ہم پر جا کرتے ہیں۔ اس قسم کی زندہ دیہی کی گاؤں میں موجودگی ہمارے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔ دوسرے قبائل اس سلسلے میں ہم پر رشک کرتے ہیں“ پھر دیر نے جواب دیا۔

میں سمجھ گیا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ یہ کوئی آدم خور قبیلہ نہیں تھا بلکہ یہ وحشی لوگ تو ہم پرست اور بے دین تھے۔ دیہی دیوتاؤں کو ماننے والے ان وحشیوں کو اپنی دیہی کی ہر شکل ایک عورت یا تیسرا گئی تھی اور وہ سب کے سب اس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔ وہ اس کی نالاؤنگی مول نہیں لے سکتے تھے۔

”دوسرے قبائل اس عورت کی وجہ سے تم لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہیں کرتے ہوں گے۔“ میں نے ایک اور خیال کے تحت چونک کر پوچھا۔

اس بار ہر دیر نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔
”کیا تم لوگ نہیں جانتے، یہ عورت پوری طرح شیطان کا سایہ ہے تم جن لوگوں کو اس کی بھینٹ چڑھاتے ہو، اس سے تمہاری دیہی یا دیوتا کو کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ انھیں اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پھر یہ عورت دیہی نہیں ہے۔ یہ ایک خون آشام درندہ صفت عورت ہے۔ شیطان کا پرتو ہے جسے خون پینے اور ظلم و ستم ڈھکا کر اپنی زندگی کی تسکین کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔ یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے اور اس کے لیے تم اپنے ہی جیسے انسانوں کو اس کے حوالے کر دیتے ہو۔“

”میں مانتا ہوں کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔“ پھر دیر نے جواب دیا۔ اس کی نظریں خاموشی کی لپیٹ میں سوئے ہوئے سکاڑوں کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ اس عورت کی موجودگی میں زندگی گزارنا بہت تکلیف دہ ہے لیکن اس کے خوف کی وجہ سے ہمارے دشمن قبائلی کبھی ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ برسوں سے ہماری زندگیاں محفوظ ہیں۔ یہ ہمارے لیے زندگی کی ضمانت ہے۔ قبائل اس سے خوف کھاتے ہیں۔ لہذا ہم اسے ہر طرح کا تحفظ فراہم کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ محفوظ ہے تو ہم بھی محفوظ ہیں۔ یہ ہماری دیہی ہے اس لیے اسے زندہ اور خوش رہنا چاہیے۔“

میں نے اس کے بعد پھر دیر سے کئی سوال کئے لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ یوں بن گیا تھا جیسے اس کے لبوں پر خاموشی کی ہر لگ گئی ہو۔
کچھ دیر بعد چند آدمی آئے اور مجھے اٹھا کر وہیں لے گئے

مجھے پاگل قرار دیتے اور میرا مذاق اڑاتے۔ وہ مجھے مسخرہ قرار دیتے اور کبھی کبھی میری باتوں کو دیوی کی توہین پر محمول کر کے مجھے اذیت دیے بغیر رہتے... لیکن میں باز نہ آیا اور اس مسئلے میں مسلسل کوشاں رہا۔

”میرا جسم، میری جسمانی طاقت، میرا حوصلہ، میری ہمت، سب کچھ شکست کھا گیا تھا... لیکن میرے ذہن نے ابھی تک شکست تسلیم نہیں کی تھی۔

میں ہر وقت یہی سوچتا رہتا کہ اس عورت کو کیسے تباہ کروں، اسے کس طرح وحشیوں کے سامنے بے نقاب کروں؟ اس عفریت کا ان لوگوں کے ذہنوں پر اثر کیسے ناٹلی کروں؟ جو دن بدن میری رنگوں سے خون چوس کر مجھے کھوکھلا کرتی جا رہی تھی یقیناً کوئی ایسا طریقہ ہو گا۔ کوئی تو ایسی صورت ضرور ہو گی۔ میں ذہن پر زور دیتا رہا۔ غور کرتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھے احساس ہو گیا کہ میرا آخری وقت زیادہ دور نہیں ہے۔ اس لیے جلد از جلد کوئی ترکیب سوچ لین چاہیے۔ خون پینے سے پہلے تیل مجھے زبردستی وہ نشہ اور سیال پلاتی تھی۔ خون کی کمی سے پیدا ہونے والی کمزوری اس لٹھے کا درجہ ہے دو چند ہو رہی تھی اور قبر سے میری ہستی کا فاصلہ اب دن بدن کم ہونے لگا تھا۔

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کمزور پڑتی جا رہی تھی اور ذہن دھندلانے لگا تھا۔ میرے ذہن میں اب ہر وقت اسپتال میں ملنے والے مریض کمزور کا چہرہ گردش کرنے لگا... میں یہ سوچ کر ہر سے پاؤں تک کانپ مارتا تھا کہ جلد ہی میں بھی اس کی طرح پاگل ہونے والا ہوں۔ ایک ایسا پاگل جس کے شعور اور لاشعور میں خون آشام تیل کی دہشت اتنی گہرائی میں اتار جائے گی کہ وہ جزیرہ ہلما ہارا کا نام سنتے ہی دیوانہ وار چیخنے لگ جایا کرے گا۔

اس قدر شکستہ حال ہونے کے باوجود میرا ذہن اس حد تک ضرور کام کر رہا تھا کہ میں سمجھ سکتا تھا کہ ابھی پاگل نہیں ہوا ہوں ہر جاگتے لمحے میں میری زبان سے تیل کے خلاف زہر ٹپکتا رہتا تھا کوئی میری باتوں پر توجہ دیتا ہو یا نہ دیتا ہو، میں بڑ بڑاتا اور بلند آواز میں بولتا رہتا تھا کہ شاید پریداروں میں سے بعض میرے ہم خیال بن جائیں اور وہ اپنے قبیلے کو اس خون آشام عورت سے نجات دلانے پر آمادہ ہو جائیں۔

”سنو... میری بات غور سے سنو... اس بات کو نظر انداز مت کرو۔ تیل دیوی نہیں ہے۔ اگر وہ دیوی ہے تو اسے موت کبھی نہیں آ سکتی۔ ٹھیک ہے نا؟ تو پھر تم اس کے سینے میں نیزہ اتار کر یہ بات کیوں نہیں آزما لیتے؟ دیوی تو بہت طاقتور ہوتی ہے۔ پھر اسے میرا خون پینے کے لیے تم لوگوں کی مدد کیوں درکار ہوتی ہے؟ غور کرو۔ یہ میرا خون کیوں پیتی ہے؟ دیوی اور دیوتا بھوک پیاس محسوس نہیں کرتے۔ پھر اسے انسانی خون کی چاٹ کیوں مانتی ہے؟ یقین کرو، یہ محض ایک عورت ہے جس

نے پورے گاؤں کو بیوقوف بنا رکھا ہے۔ یہ ہماری لمھاری طرح انسان ہے... انسان کے بھیس میں شیطان ہے اور شیطان کو مر جانا چاہیے اس شیطان کو ختم کر دو۔ اس سے نجات حاصل کر لو۔

کوئی میری بات پر غور نہیں کرتا۔ کوئی میری بات کا جواب نہیں دیتا۔ اب تو میں اپنے واحد مدد کو بھی کھو بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے بات چیت بند کر دی تھی اور میرے لاکھ چہینے چلانے پر وہ نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔

میں پریداروں اور لوگوں کو بتاتا کہ تیل کا جسم ایک عام عورت کا جسم ہے۔ اس میں فطری جذبات موجود ہیں۔ وہ عام لوگوں کی طرح بھوک اور پیاس بھی محسوس کرتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس جدید عورت کے دانت لمبے اور نوکیلے ہیں۔ دندلوں جیسے ہیں محض اس کے غیر معمولی دانتوں کی وجہ سے، اس سے خوف مت کھاؤ۔ اسے ملو ڈالو۔ ورنہ کسی روز آسمان سے تمہارے قبیلے پر بہت بڑا عذاب ٹوٹ پڑے گا اور تم سب کے سب تباہ ہو جاؤ گے۔

کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی لیکن میں مایوس نہ ہوا میں بولتا رہا۔ انھیں سمجھا تا رہا... حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ پریداروں کے ذہن میں تیل کے دیوی ہونے کے سلسلے میں شبہ کا بیج پھوٹ پڑا ہے۔

ایک روز جب وہ مجھے مرکزی جھونپڑے کی طرف لے جا رہے تھے تو میں نے محسوس کیا کہ آج پریداروں کی گرفت میں پہلے جیسی تھی نہیں ہے۔ ان کے انداز میں وہ جارحیت بھی نہیں تھی جسے وہ اب تک وہ مجھ سے روا رکھے ہوئے تھے

انھوں نے مجھے پہلے کی طرح جھونپڑے کے درمیان نصب کھبے کے سامنے زمین پر ٹنجا بھی نہیں تھا... اور اب تو میری کلائیوں کی بندشیں بھی پہلے جیسی سخت نہیں تھیں۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ ذہن سے کسی گڑھے سے ایک خیال شعور کی سطح پر آیا اور اس نے میرے بچے کچھے حوصلوں پر پانی پھیر دیا۔

”یہ نرمی... یہ رعایت... دراصل اس لیے ہے کہ میں اب پہلے جیسا طاقتور نہیں رہا۔ میں پہلے کی طرح جدوجہد بھی تو نہیں کرتا اس لیے پریدار نرمی برتنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔“

”مکھن ہے یہ لوگ آٹے دن کے اس کھیل سے ہزار ہو گئے ہوں!“ ایک اور خیال میرے تمام حوصلوں کی دیوار ڈھا گیا۔ تاہم مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب وقت ختم ہو رہا ہے۔ آخری وقت تیزی سے قریب آ رہا ہے۔ گویا آج... صرف آج میرے پاس ایک موقع ہے... آخری موقع...

میں نے اپنی دم توڑتی ہوتی ہمت سمیٹی اور اس آخری موقع سے استفادہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔

تیل سینے میں مٹا کر اور وحشی قبیلے کے لوگوں کی قطاروں کے

درمیان راستے پر چلتی ہوئی میری طرف بڑھنے لگی۔ اس کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے۔ وہ ایک بے جان مورتی لگ رہی تھی جو کسی میکینکی طریقے سے حرکت کر رہی تھی۔ وہ ایک ایسی لاش کی مانند محسوس ہو رہی تھی جو اپنے تابوت سے اٹھ کر جل پڑی ہو۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور اس پر نقابت تھی۔ میں جانتا تھا کہ خون کی پیاس اسے اسی طرح نڈھال کر دیتی ہے۔ جیسے ہی اس کی زبان پر میرے خون کا ذائقہ پہنچے گا، اس میں تازگی اور زندگی کی لہر دوڑ جائے گی۔ اس کے حسن اور چمک دمک میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ پھر سے جوان حسین اور پرکشش ہو جائے گی۔

وہ پیالہ ہاتھ میں تھامے میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔ میں نے اپنی پیٹھ جھونپڑے کے درمیان کھپے سے جاتی اور پوری قوت سے دونوں ٹانگیں اچھال دیں۔ پاؤں کے ناخن اس کی ران پر گہری خراش ڈالنے میں کامیاب ہو گئے اور اگلے ہی لمحے خراش بے سرخ سرخ گاڑھا خون رسنے لگا۔

میں دیوانہ وار ہنس پڑا۔
”تیلا کا خون نکل آیا... تیلا دیوی نہیں... ایک عورت ہے... عام عورت ہے“

تیلا نے جھک کر خراش کا جائزہ لیا۔ پھر اس کے پیٹ کے عضلات تن سکئے۔

”آج رات میں تمہاری رگوں میں دوڑنے والی آخری بوند پانی جاڑ لگی اور تم خون سے محروم کسی لاش کی طرح خالی ہو جاؤ گے“ وہ جھک کر سرگوشی میں بولی۔ اس کی سرگوشی کسی ناگ کی پھنکار جیسی تھی۔ اس کے دانت برہنہ ہو گئے۔ ہونٹ سکڑ گئے اور دہانہ کشادہ ہو گیا۔ اس کے نتھنے غصے سے پھٹ پھٹا رہے تھے اور اس کی آنکھوں سے دیوانگی جھانک رہی تھی۔ اس کے حلق سے کسی مادہ بھیرٹے جیسی عڑا ہٹ نکلی اور وہ دانت نکوستی ہوئی کچھ پر جھپٹ پڑی۔ اکی لے جن وحشیوں نے مجھے تھام رکھا تھا مجھے جھوٹا دیلا میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

جھونپڑے میں موجود تمام وحشی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی دیوی کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے انھیں یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ جسے دیوی سمجھ رہے تھے، وہ کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے قریب کھڑے وحشی سے نیزہ جھپٹ لیا اور جیسے ہی تیلا میرے پاس پہنچی میں نے پوری قوت سے نیزہ اس کے سینے میں گھونپ دیا۔

اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی جو موسیقی کی ذرت بخش لہریں کر میری روح تک کو سرشار کر گئی۔

وہ اچھل پڑی اور میرے ناتواں، بے خون بازوؤں میں اس وقت نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آگئی کہ میں نے اسے نیزے میں پرو کر فضا میں بلند کر لیا۔

اگرچہ نیزہ اس کے سینے میں اتر کر پشت کی طرف نکل گیا تھا۔ اس کے باوجود میری وحشت کو قرار نہ تھا۔ میرا باپاں ہاتھ آگے بڑھا اور میری انگلیوں کی گرفت اس کی گردن پر سمٹ ہو گئی۔ اس کا نرہ میرے انگوٹھے کے پورے تلے دبا ہوا تھا۔ میں اسے شدت سے دھاتا چلا گیا۔ یہ وہی نالی تھی جہاں سے گزر کر کئی بار میرا خون اس کے جسم میں انرا تھا۔ وہ نیزے پر اٹھی اور میری انگلیوں کی گرفت میں دبی لڑ پٹی اور مچلتی رہی۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا اور اس کے سرخ ہونٹ تیزی سے سفید پڑتے جا رہے تھے۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں اور وہ پتھر اسی گئی تھیں ان میں شدید حیرت اور دہشت کے علاوہ بے یقینی کے تاثرات گڈا ہو کر نمودار ہو گئے تھے۔

وہ اب بھی طرار ہی تھی۔ کسی مادہ خون آشام بھیرٹے کی طرح غرار ہی تھی۔ اس کے لیے ناخون والی انگلیاں میری کلائی پر بار بار جھپٹ رہی تھیں۔ لیکن ان کی طاقت تیزی سے زائل ہو رہی تھی۔ مجھے اس کے تڑپنے اور مرنے کا یہ منظر اس قدر پسند آیا تھا کہ میری خواہش تھی کہ کاش وہ اسی طرح تڑپتی پھڑکتی اور کراہتی رہے خون اگلتی رہے۔

نہ جانے کتنی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ کیا ہو چکا ہے۔ میں نے آہستہ آہستہ اسے زمین پر اتار دیا۔ وہ مر چکی تھی۔

اب تک کسی وحشی کے نیزے کی آئی میرے جسم کے قریب نہیں آئی تھی۔ میں نے ہادی بادی سب کی طرف دیکھا۔ وہ آہنوسی ٹیموں کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے اور اپنی دیوی کو گھور رہے تھے جو دیوی نہیں ایک خون آشام عورت تھی اور جس نے برسوں دیوی کے روپ میں انھیں دھوکا دیا تھا۔ میں نے تیلا کی طرف دیکھا۔

وہ ساکت پڑی تھی لیکن اس کی پھٹائی ہوئی آنکھیں اب بھی مجھے اپنی طرف گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے آہستہ سے نیزہ سرے بلند کیا اور اسے پوری قوت سے اس کی آنکھوں کے درمیان مارا۔ تیز دھار نوکیلا نیزہ اس کی آنکھوں کے درمیان گہرا تر گیا۔ میں نے دوبارہ نیزہ بلند کر کے اس کے نرے پر رکھا اور زور سے دبلا دیا۔

اگرچہ وہ مر چکی تھی لیکن اس کے جسم کو بار بار نیزے سے چھید کر مجھے بے حد لطف آ رہا تھا۔

سب سے آخر میں میں نے نیزے سے اس کے دانتوں پر حملہ کیا اور انھیں توڑ ڈالا۔ ان دانتوں کو جنھیں وہ میرے جسم میں پیوست کر کے خون بہاتی تھی اور پھر بولی لیتی تھی۔ میں نے اس کا جھڑہ توڑ ڈالا۔

اس کے دانت نکل کر گر گئے تو میں نے اس کی بیسی اٹھالی۔ چند لمحوں تک میں ان بھیانک سفید دانتوں کو دیکھتا رہا۔ پھر انہیں جیب میں ڈال لیا۔

میں نے اس پاس کھڑے وحشیوں کی طرف دیکھا وہ اب میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے لیے احترام کی جھلک دیکھی تو میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ میرے روٹیں روٹیں میں خوشی لہریں لینے لگی تھی۔ اب مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ اس عورت کے سحر سے آزاد ہو گئے تھے جس نے انہیں وحشی بنا رکھا تھا۔ ممکن ہے اس وقت وہ مجھے قہر کا دیوتا سمجھ کر مجھ سے خوف کھانے لگے ہوں۔

نیزہ اب بھی میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نیزہ سنبھالے آہستہ آہستہ جھونپڑے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ سامنے کھڑے ہوئے وحشی اطراف میں مٹنے لگے اور میرے لیے راستہ بن گیا۔ میں اس راستے پر چلتا ہوا اپنے مقتل سے باہر آ گیا۔

رات کے سناٹے میں تیلہ کی دلدور چیمیں دُور دُور تک سناٹی دی تھیں۔ پورا گاؤں اس مرکزی خیمے کی طرف اٹھ آیا تھا۔ ان میں بچے، بوڑھے، جوان سبھی شامل تھے۔ عورتیں بھی تھیں۔۔۔ لیکن میں نے ان میں سے کسی ایک کی آنکھوں میں بھی اپنے لیے نفرت اور غصہ محسوس نہیں کیا۔ وہ سب کے سب خاموش تھے، ساکت تھے اور ان کے ہاتھوں میں دبی ہوئی مشلوں کی روشنی میں مجھے ان کی آنکھوں میں احترام نظر آ رہا تھا۔

میں بڑھکھڑاتا ہوا اس راستے پر چل دیا جو مجھے اس منحوس گاؤں سے باہر لے جاسکتا تھا۔

میرے برہنہ پاؤں ٹخنوں ٹخنوں تک دھول میں آٹ گئے تھے یہ وہی راستہ تھا جس پر میں ایک حسین عورت کے ساتھ بڑی خوشی سے آیا تھا اور پھر میں نے اپنی زندگی کے سب سے اذیت ناک لمحے اس گاؤں میں گزارے تھے۔ اب میں واپس جا رہا تھا۔ کسی فاتح کی حیثیت سے جس نے ان لوگوں کی دیوی کو کیفر کر دیا تھا۔ پہنچا دیا تھا۔ مجھے یاد آ رہا تھا کہ اس بلند جھونپڑے سے میں اس راستے کو کس قدر حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتا تھا اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی روز میں اپنے پیروں پر چل کر اس راستے سے، اٹھاؤں سے باہر بھی جا سکوں گا۔

راستے کے دونوں طرف گاؤں کے لوگ موجود تھے۔ کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ وہ ساکت کھڑے تھے اور جو راستے میں میرے سامنے آ جاتے تھے۔ وہ فوراً ہی ہٹ کر مجھے راستہ دے دیتے تھے۔

میں ڈیلا پہنچا تو وہاں میرے ہارے میں خبر پہنچ چکی تھی۔ میں جسے ہی ساحل پر پہنچا۔ قریبی سڑک سے پولیس کی ایک بھاری ہوئی جیت

تیزی سے آ کر میرے قریب رک گئی۔ میں جیب میں بیٹھ گیا۔

جیب مجھے سنا پور لے گئی

میرے زخموں کی مرہم پٹی کر دی گئی اور پھر مجھے ڈاکٹر ڈو کے حوالے کر دیا گیا۔

میں نے اپنی جیب سے تیلہ کی بیسی نکال کر اس کی میز پر رکھ دی۔ میں نے اس کے تیز اور نوکیلے دانتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ان دانتوں کو غور سے دیکھو ڈاکٹر! تیلہ انھی کی وجہ سے مادہ خون آسٹام بھیڑ یا کھلاتی تھی۔"

ڈاکٹر نے دانتوں کو دیکھ کر ایک جھرجھری سی لی اور ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اس نے وہ بیسی اٹھالی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ تم نے تو یہ بیسی نکالنے میں کسی ماہر دندان ساز کو بھی مات کر دیا۔" وہ میری طرف پلٹ کر مسکراتے لگا۔

میں نے ٹوٹی پھوٹی بیسی پر نگاہ ڈالی تو خفت سے ہنس پڑا۔ "یہ سب کچھ میں نے ہوش و حواس میں نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے وہاں سے نکلنے کی جلدی بھی تھی۔ ورنہ شاید میں اس کی گردن کاٹ کر اس کا پورا سراہی ساتھ لے آتا۔ سچے بوجھ تو ڈاکٹر! مجھ پر اس وقت دیوانگی طاری ہو چکی تھی۔"

"ایک بات مجھے حیران کر رہی ہے،" ڈاکٹر نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا: "تمہارے جنم پر تیلہ کے دانتوں کے جو نشانات ہیں، ان کے زخم اتنی تیزی سے کیسے بھر گئے؟ ان زخموں کے ٹھیک ہونے سے قبل تمہیں انسانی دانتوں کے مخصوص زہر سے مر جانا چاہیے تھا کیونکہ انسان کے منہ میں جراثیم بہر حال موجود ہوتے ہیں جو دانتوں کے ذریعے زخموں میں منتقل ہو کر ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں۔"

میں کندھے اچکا کر رہ گیا۔ میں بھلا اس بات کی کیا وضاحت کر سکتا تھا۔ میں نے بے چارگی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ اس نے تیلہ کی بیسی اپنی ہتھیلی پر رکھ لی اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"ہوں... تو یہ وجہ ہے،" ڈاکٹر بڑبڑایا: "دراصل ٹھوس غذا کو اس کے منہ میں پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی ہوگی۔ اگر وہ کوئی ٹھوس غذا استعمال کرنے کی عادی ہوتی تو اس کے ذرات دانتوں میں یقیناً پھنستے اور وہاں محل سڑ جاتے جن سے جراثیم پرورش پانے لگتے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ زندگی بھر سٹیل غذا پر ہی زندہ رہی تھی۔۔۔ انسانی خون پر۔۔۔"

